

نجات دہندہ کی خیرات

نمبر: 3491

ایک وعظ

شائع ہوا: جمعرات، 23 دسمبر، 1915

بیان فرمایا: سی۔ ایچ۔ سپرجن نے
میٹروپولیٹن ٹیبیرنیکل، نیونگٹن میں

”یسوع نے جواب میں اُس سے کہا، تُو کیا چاہتا ہے کہ میں تیرے لئے کروں؟“
مرقس 51:10 —

یہ معجزہ کی کہانی نہایت دلکش ہے۔ یہ ہمیشہ منادوں کا محبوب مضمون رہا ہے۔ رسولوں اور کلیسیا کے بزرگوں کے ایام سے لے کر آج تک، انہوں نے خوشی سے اس واقعہ کے ہر پہلو پر غور کیا ہے جیسا کہ تینوں انجیل نویسوں نے اس کو قلمبند کیا ہے۔ ہم نے اکثر اس واقعہ کو بحیثیت مجموعی بیان کیا ہے—پس اب آئیے، ہم اپنی توجہ صرف اُس سوال پر مرکوز کریں جو ”یسوع نے اُس اندھے سے کیا، تُو کیا چاہتا ہے کہ میں تیرے لئے کروں؟“

وہی سوال آج بھی ہمارے پاک خداوند کی زبان سے جاری ہے—وہ یہ سوال اندھوں سے کرتا ہے، بلکہ میں سمجھتا ہوں کہ نیم بینا لوگوں سے بھی۔ ہم میں بعض ایسے ہیں جن کی آنکھیں تو کھلی ہیں، مگر اُن کی بینائی دھندلی ہے—ہم دور کی چیزوں کو نہیں دیکھ سکتے۔ ہمارا مبارک خداوند اور استاد ہم سے بھی، اُسی شفقت سے فرماتا ہے، ”تُو کیا چاہتا ہے کہ میں تیرے لئے کروں؟“

آئیے، ہم اس سوال پر غور کریں—اول، نجات دہندہ کی جانب سے—کہ یہ سوال کس مہربانی کا اظہار ہے۔ اور پھر، ہماری طرف سے—کہ ہمیں اس پکار کا کیا جواب دینا چاہیے۔

I

یہ سوال، جیسا کہ ہمارے نجات دہندہ نے فرمایا، بڑی شفقت کا آئینہ دار ہے۔ :
اس کے انداز میں ایک خوبصورت نزاکت ہے۔ اُس غریب انسان کی محرومی کی طرف براہ راست اشارہ نہ کرنا بڑی مہربانی ہے۔ میں نے مشاہدہ کیا ہے کہ اکثر اوقات مصیبت زدہ افراد کو اُن کی معذوری کی طرف اشارہ سخت ناگوار ہوتا ہے۔ آپ ایک اندھے شخص کے زخم پر نمک چھڑکنے کے مترادف ہوگا اگر آپ بار بار اُس کی نابینائی کا تذکرہ کریں، یا کسی لنگڑے شخص کو اُس کی معذوری کی یاد دلاتے رہیں۔

ایسے لوگ صبر کے ساتھ اپنی مصیبت کو سہتے ہیں اور اُمید رکھتے ہیں کہ دوسروں کی نگاہ اُن کی کمزوری پر نہ پڑے۔ وہ اُس ہمدردی سے بھی بچنا چاہتے ہیں جو حد سے زیادہ ہو کر تکلیف دہ بن جاتی ہے۔

اب دیکھئے کہ ہمارے نجات دہندہ نے اُس شخص سے نہیں فرمایا، ”افسوس! اے بے چارہ، تُو کیسی حالت میں ہے!“ اُس کی نابینائی کا کوئی تذکرہ نہ تھا کہ کہیں اُس کی دل آزاری نہ ہو۔ وہ تو ایک بھکاری بھی تھا، اور صدقہ پر زندگی گزارنا خود ایک ذلت کا باعث ہے—ایسی غربت جو اگر شدت سے محسوس کی جائے تو آدمی کے حوصلے پست کر دیتی ہے اور اُسے خودداری سے محروم کر دیتی ہے۔

لیکن یہاں غربت کا کوئی ذکر نہیں۔ مسیح نے نہیں پوچھا، ”تُو کب سے اس راہ کے کنارے بیٹھا خیرات مانگ رہا ہے؟ پچھلے چند دنوں میں تُو نے سرد مہربانی سے دی گئی کتنی خیرات جمع کی ہے؟“

آپ محض نجات دہندہ کے سوال سے نہ تو یہ جان سکتے کہ وہ شخص اندھا تھا اور نہ یہ کہ وہ بھکاری تھا۔ ”تُو کیا چاہتا ہے کہ میں تیرے لئے کروں؟“—یہ سوال ایک شہزادے یا بادشاہ سے بھی اُسی وقار سے کیا جا سکتا تھا جیسے کہ وہ یریحو کے اُس اندھے، غریب بھکاری سے کیا گیا۔

میں نہیں جانتا کہ آپ اس لطافت میں کیا کچھ دیکھتے ہیں، لیکن میرے خیال میں اس کو پوری طرح سراہنے کے لئے ایک لطیف احساس اور فیاض ہمدردی کی ضرورت ہے۔

یہ مسیح کے اُس مخصوص انداز کا مظہر ہے جس سے وہ انسان کی جانوں سے معاملہ کرتا ہے، جیسا کہ دوسرے واقعات بھی ظاہر کرتے ہیں۔ گمراہ بیٹے کی تمثیل ہمارے آسمانی باپ کے اپنے بھٹکے ہوئے فرزندوں سے برتاؤ کی صحیح تصویر ہے۔ اُس تمثیل میں بیٹے کی برہنگی، فاقہ کشی، اور افلاس کا ذکر تو آتا ہے، مگر باپ اُن میں سے کسی بات کو زبان پر نہیں لاتا۔ بلکہ وہ اُس کے میل آلود گلے سے لپٹ جاتا ہے، اُس کے ناپاک چہرے پر بوسہ دیتا ہے۔ اور اُسے اپنی آغوش میں قبول کرتا ہے، خواہ وہ اب بھی چیٹھڑوں میں لپٹا ہوا کیوں نہ ہو۔

کسی اور کے لیے وہ شخص گھن کا باعث ہوتا، لیکن باپ کے دل میں وہ اب بھی پیارا تھا، کیونکہ وہ اُس کا اپنا عزیز بیٹا تھا۔ اُس نے اُس جوہر کو پہچان لیا جو گوہر کے ڈھیر پر پڑا تھا۔ اُس نے یہ نہ کہا، "اے میرے پیارے بیٹے! یہ کیسا افسوسناک معاملہ ہے کہ تُو نے میرے گھر کی پناہ چھوڑ دی! تُو کیونکر ایسی حماقت کر بیٹھا کہ اپنی موروٹی دولت بدکار عورتوں پر صرف کر "دی؟ ہائے افسوس! میرے عزیز بیٹے، تُو کن ذلتوں میں گر گیا کہ خنزیروں کو چارہ کھلانے لگا۔

نہیں، اُس گمراہ بیٹے کی حالت کا ذرا سا بھی ذکر نہ ہوا جب وہ واپس آیا۔ اُسے اُس کی گناہ آلود حالت میں ہی قبول کیا گیا۔ جیسا وہ تھا، اُسی حال میں۔

اور یسوع مسیح کی خوشخبری بھی تمہارے پاس طعن و ملامت لے کر نہیں آتی، نہ ہی بار بار تمہارے گناہوں کی یاد دلاتی ہے۔ یہ کام شریعت کا ہے۔ شریعت اُس تیز سوئی کی مانند ہے جو کپڑے میں سے گزر کر خوشخبری کے نفرتی دھاگے کو ساتھ کھینچتی ہے۔

مگر خوشخبری کا پیغام تمہارے گناہ کی بابت کم اور اُس کے علاج کی بابت زیادہ ہے، اور جب یہ گناہ سے معاملہ کرتی ہے، تو اُسے جرم نہیں بلکہ بیماری سمجھ کر کرتی ہے۔ وہ گناہ کو ایک اذیت کے طور پر دیکھتی ہے۔ وہ اُس پر مہربان نگاہ ڈالتی ہے۔ اور پھر بھی، وہ بیماری کے ذکر میں بھی نہایت کمی رکھتی ہے۔

وہ تمہیں دعوتیں دیتی ہے، "اے سب پیاسوں، پانی کے پاس آؤ!" وہاں گناہ کا کوئی ذکر نہیں۔ "میرے پاس آؤ، اے سب تھکے ماندے اور بوجھ سے دبے ہوئے لوگ!" وہاں بھی گناہ کا ذکر نہیں۔ تمہیں یاد ہوگا رولنڈ ہل کا وہ نغمہ جو کہتا ہے "اؤ، اے گندے، اؤ، اے ننگے، اؤ، جیسے ہو ویسے ہی آؤ۔"

اگرچہ میں یقینی طور پر نہیں کہہ سکتا کہ یہی خوشخبری کی دعوت کا اصل اسلوب ہے، لیکن وہ یہ ضرور کہتی ہے "جو کوئی پیاسا ہو، وہ آئے؛ جو چاہے، وہ آبِ حیات مفت پئے۔"

خود خوشخبری، گناہگار کے گناہ کی طرف جس قدر کم اشارہ کرے، بہتر سمجھتی ہے۔ بے شک، گناہگار کو "گناہگار" کہنا لازم ہے، اور خوشخبری کبھی یہ نہیں کہتی، "سلامتی، سلامتی" جب کہ سلامتی ہے ہی نہیں۔ لیکن وہ بیماری کو بے نقاب کرتے ہی اُس کا علاج بھی پیش کرتی ہے۔

خوشخبری ہمیں گرجدار آواز میں ہمارے ہلاکت کا اعلان کرنے نہیں آتی، بلکہ وہ ہمیں یہ سکھاتی ہے کہ ہم جلد از جلد پناہ کے مقام کی طرف بھاگیں۔ وہ کوہ سینا سے نہیں بولتی، بلکہ کوہ کلوری سے۔ سینا سے سخت عدل کی آواز آتی ہے۔ کلوری سے نرم رحمت اور فیض آلود معافی کی صدا بلند ہوتی ہے۔

اس بات میں، میرے خیال میں، نجات دہندہ کی اُس چشم پوشی میں بڑی شفقت پنہاں ہے۔ "اگر تم پوچھو، گناہگار کے لیے ایسی شفقت کیوں؟" "تو جواب یہ ہے: کیونکہ وہ ایسا شخص ہے جس کے ساتھ نرمی سے پیش آنا لازم ہے۔"

کہا گیا ہے کہ ایک اچھے جراح کے دل میں شیر کا حوصلہ اور ہاتھ میں کسی خاتون کی لطافت ہونی چاہیے۔ اُس میں یہ ہمت ہونی چاہیے کہ جسم کی سلامتی کے لیے کوئی بھی ضروری عمل انجام دے۔ چاہے وہ بڈی بٹھانا ہو، یا کسی عضو کو کاٹ ڈالنا ہو، یا کسی نہایت حساس نس کو ننگا کرنا ہو۔ لیکن اُسے وہ عمل نہایت ہمدردی اور نرمی سے سرانجام دینا چاہیے کہ مریض کو کم سے کم اذیت ہو۔ مجروح شخص یہی چاہتا ہے کہ اُس کی ہڈیاں کسی نرم ہاتھ سے سنواری جائیں۔

جاگا ہوا ضمیر نہایت حساس ہوتا ہے۔ شریعت اپنی کوڑے دار دم سے گناہگار کی پشت پر ضربیں لگا چکی ہے، یہاں تک کہ اُس میں گہرے زخم پڑ گئے ہیں۔

سراپا بیمار بے سر، اور ناتواں بے دل؛ پاؤں کے تلوے سے لے کر سر کی چوٹی تک، کہیں بھی تندرستی نہیں، بلکہ زخم ہی "زخم ہیں، نیل ہی نیل، اور سڑی گلی پھوڑیاں ہیں۔"

ایسا شخص نرم سلوک کا طالب ہوتا ہے۔ جانوں کا طبیب یہ بات جانتا ہے۔ گناہگاروں کا نجات دہندہ یوں ہی پیش آتا ہے۔ اُس کے لبوں سے سخت کلام نہیں، بلکہ فیض کا سیلاب جاری ہوتا ہے۔ نہ دھمکی، نہ دہشت، نہ ملامت بلکہ فضل، سلامتی، اور محبت۔

میں اس خیال میں وجد کرتا ہوں یہ خواہ عام سا لگے، لیکن نہایت عملی اور بیش قیمت ہے۔ یہ ہمیں کتنی نصیحت بخشتا ہے! یہ ہمیں سکھاتا ہے کہ ہم جاگے ہوئے ضمیر کے ساتھ کس حکمت سے معاملہ کریں۔ اپنے نجات دہندہ کی مانند، نرمی اور محبت سے اُن کی خدمت کریں جو شفا کے طالب ہوں تاکہ ہم نہ "شکستہ نی کو توڑیں" اور نہ "دھواں دیتی بتی کو بجھائیں۔"

منافقوں اور راست باز بننے والوں کے ساتھ نرمی کی کوئی ضرورت نہیں۔ انہیں پیار دکھانا اُن کے گھمنڈ کو ہی بڑھائے گا۔ نجات دہندہ اُن سے کڑی ملامت کے ساتھ پیش آتا ہے:

"افسوس تم پر، اے فقیہو، فریسیو، ریاکارو!"
وہ کس قدر سخت القاب استعمال کرتا ہے! وہ انہیں کس حقارت سے للکارتا ہے، کہتا ہے:
"اے نادانوں اور اندھوں!" "اے سانپو، اے افعی کی اولادو!"
بلکہ:

"اے سفید پوتے ہوئے قبرو!"
اور نہ جانے کیا کیا کچھ

لیکن جب وہ اُن دُنبوں سے معاملہ کرتا ہے جو بالکل مونڈ دیے گئے ہوں، تو کیسی شفقت سے انہیں اپنے سینہ میں اٹھا لیتا ہے! کیسے نرمی سے وہ اُن سے ہمکلام ہوتا ہے جن کے ٹوٹے ہوئے دل نرمی کے محتاج ہوتے ہیں! اُوں ہم بھی ویسا ہی کریں۔ اُوں ہم وعدہ کی مٹھاس کو آشکار کریں، اور اُسے اس طرح ٹکڑوں میں توڑ دیں کہ ہر ایک دل سمجھ سکے کہ یہ وعدہ اُس کے لیے ہے۔ اُوں ہم دعا کریں کہ رُوح القدس، وہ تسلی دینے والا، ہمیں ایسا مؤثر ذریعہ بنائے کہ ہر غمزدہ اور دلشکستہ جان کو ہم تسلی دے سکیں۔

نجات دہندہ کی حکمت بھی کچھ کم حیرت انگیز نہیں۔ کیا تم نے وہ سوال نہ دیکھا، "تُو کیا چاہتا ہے کہ میں تیرے لیے کروں؟" یہ مسیح کا اصول ہے کہ وہ ہمارے لیے وہ کچھ نہیں کرتا جو ہم خود بھی کر سکتے ہیں۔ اُس نے اُس شخص سے یہ نہیں کہا کہ تُو نابینا ہے، کیونکہ وہ خود اس حقیقت سے آگاہ تھا۔ اُس نے ضمیر کا کام خود نہ کیا۔

تم یسوع مسیح یا رُوح القدس سے اُس کام کی توقع نہ رکھو جو انسان کو خود انجام دینا چاہیے۔ یہ غریب شخص جانتا تھا کہ وہ اندھا ہے، اِس لیے ہمارے خداوند نے اُس سے ایسا سوال کیا جس سے اُس کی اپنی عقل متحرک ہو۔

"اے عزیز، اگر تُو نجات کا مشتاق ہے، تو مسیح تجھ سے پوچھتا ہے، "تُو کیا چاہتا ہے کہ میں تیرے لیے کروں؟" اگر تیرا ضمیر کچھ بھی روشن ہے، تو وہ خود تجھ سے گواہی دے گا کہ تجھ میں بہت سے گناہ ہیں جن کی معافی ضروری ہے۔ تو پھر مسیح کیوں تجھ سے یہ کہے؟

جب باطن کا نگہبان بیدار ہوتا ہے، تو وہ جانتا ہے کہ تُو نے بہت گناہ کیے ہیں جن کے لیے کفارہ درکار ہے، اور بہت سی ایسی ناپاکی تجھ سے لپٹی ہے جس سے تطہیر ضروری ہے۔ تجھ میں بہت سی خصلتیں ہیں جن پر غالب آنا ضروری ہے۔ تیرا ضمیر تجھ سے یہ سب کچھ کہتا ہے۔

مگر خوشخبری میں مسیح تیرے پاس آ کر تجھ پر الزام نہیں دھرتا، نہ تجھے معاف کرنے کے بہانے بناتا ہے۔

بلکہ نہایت نرمی اور ملائمت سے وہ تجھ سے پوچھتا ہے،
"تُو کیا چاہتا ہے کہ میں تیرے لیے کروں؟"

گویا وہ نابینا شخص کو خود اُس اندھیرے کی یاد دلاتا ہے جس میں وہ برسوں سے جیتا رہا، اُن پردوں کی جو اُس کی آنکھوں پر چھائے رہے، اور اُس بیماری کی جو اُس کی بینائی کو متاثر کرتی رہی۔

یہ مناسب تھا کہ وہ شخص ان سب باتوں پر غور کرے، تاکہ اُس کا ضمیر قدرتی اور مکمل طور پر حرکت میں آئے۔ مجھے یوں محسوس ہوتا ہے کہ یہ ایک مفید سبق تھا، جس کے بغیر وہ اُس نعمت کی قدر نہ جان پاتا جو اُسے بصارت کی صورت میں ملنے والی تھی۔

ہم بہت سی نعمتیں اس لیے کم قدر کرتے ہیں کیونکہ ہم نے اُن کی محرومی کبھی جانی ہی نہیں۔ جو کبھی بیمار نہ ہوا ہو، وہ صحت کے لیے اُس طرح شکرگزار نہیں ہو سکتا جیسے وہ جو طویل بیماری کے بعد شفا پاتا ہے۔ جو کبھی مفلسی کا دکھ نہ جانا ہو، وہ کھانے اور کپڑے پر اُس طرح شکر نہیں کرتا جیسا کرنا چاہیے۔

یہ شخص، باوجود اس کے کہ وہ کچھ دیکھ نہیں سکتا تھا، باطن کی نگاہ سے بہت کچھ دیکھ سکتا تھا۔ اُس کی محرومی اُسے بے شمار خساروں کا احساس دلاتی، تاکہ جب اُسے روشنی حاصل ہو، تو وہ مسیح کے نام کو جلال دے۔ جب وہ پھر سے دنیا کی رونقوں کو دیکھتا، تو اُس کی آنکھوں میں روشنی ہوتی اور اُس کے لبوں پر تسبیح۔ یہ نجات دہندہ کی حکمت تھی کہ اُس کے ضمیر کو پہلے بیدار کرے تاکہ اُس کا شکرگزاری کا جذبہ بیدار ہو۔

اس سوال کے ذریعے مسیح اُسے دعا سکھا رہا تھا۔
جیسے ایک استاد اپنے شاگرد کو مشق کرنے میں دقت پیش آنے پر خود سب کچھ نہیں کرتا، بلکہ پوچھتا ہے کہیں دشواری ہے؟ کیا یہ اسم کا مطلب ہے؟ یا فعل کی ترکیب؟ اپنی انگلی وہاں رکھ جہاں تجھے پریشانی ہے، تب میں تیری "مدد کروں گا۔"

، اسی طرح جب وہ نابینا شخص پکارا
"اے داؤد کے بیٹے، مجھ پر رحم کر"
تو اُس کی فریاد جائز تھی، مگر مبہم۔
وہ رحم کا طلبگار تھا، مگر کس قسم کے رحم کا؟
اُسے یہ سیکھنا تھا کہ دعا میں کس طور عرض کرنا ہے۔

حتیٰ کہ سب سے پختہ ایماندار کو بھی دعا کرنی چاہیے
"اے خداوند، ہمیں دعا کرنا سکھا"

میں نے دیکھا ہے کہ اگرچہ شاگردوں نے بارہا مسیح کو منادی کرتے سنا، مگر کبھی نہ کہا
"اے خداوند، ہمیں منادی کرنا سکھا۔"
—مگر جب انہوں نے اُسے دعا کرتے سنا—جیسا کہ کلام میں مذکور ہے
"جب وہ ایک جگہ دعا کر رہا تھا، تو شاگردوں نے اُس سے کہا، اے خداوند، ہمیں دعا کرنا سکھا دے۔"

وہ اُس کی دعا سے اس قدر ششدر ہوئے، کہ اگرچہ وہ شاید یہ سمجھتے ہوں کہ وہ اُس کی منادی کی پیروی کر سکتے ہیں، لیکن اُس کی دعا انہیں ایسی اعلیٰ، ایسی آسمانی معلوم ہوئی، کہ وہ نہ روک سکے اور پکار اٹھے
"اے خدا، ہمیں بھی ویسی ہی دعا کرنا سکھا دے"

اُوہ جانتے تھے کہ اُس کی دعا کا جلال کتنا عظیم ہے—اگر وہ بھی اُس تک پہنچ سکیں
وہ سچے دل سے دعا کی تعلیم چاہتے تھے۔

یہی وہ کام تھا جو مسیح اُس شخص کے ساتھ کر رہا تھا — وہ اُسے دعا مانگنا سکھا رہا تھا۔ اُس نے فی الفور اُس کی آنکھیں نہ کھولیں، بلکہ اُسے یہ ترغیب دی کہ وہ خود عرض کرے کہ کیا چاہتا ہے کہ اُس کے ساتھ کیا جائے۔

جب کوئی بچہ پہلی بار چلنا سیکھتا ہے، تو دوڑ کر کچھ تھامنے کی کوشش کرتا ہے۔ ماں کچھ پیچھے ہٹتی ہے، پھر اور کچھ پیچھے، اور بچہ ڈگمگاتا ہوا آگے بڑھتا ہے تاکہ اپنی خوابش کو پا لے — اور یوں وہ چلنا سیکھتا ہے۔

یہی حال خدا کی رحمت کا ہے — وہ اُسے تھوڑا سا دور رکھتا ہے، اور پھر کچھ اور دور، تاکہ جان اور بھی زیادہ دعا کرے۔ یہی حکمت تھی مسیح کی کہ اُس نے یہ سوال پیش کیا۔

!! اور اے! کیسی عجیب فیاضی ہے جو اس سوال میں پنہاں ہے
نجات دہندہ کی سخاوت کی کوئی حد نہیں۔
"تُو کیا چاہتا ہے کہ میں تیرے لیے کروں؟"

اگر خاندان روٹسچائلڈ یا کوئی اور مالدار سرمایہ دار کسی کے ہاتھ میں خالی چیکس کی کتاب رکھ دے اور کہے، "لو، جتنا چاہو لکھ لو"، تو یہ ایسی فیاضی ہو گی جو دُنیا میں سنی نہ گئی ہو۔ آدمی چاہے جتنا بھی فیاض ہو، اُس کی نعمتوں کی حد ہوتی ہے۔
مگر جب یسوع یہ فرماتا ہے
"تُو کیا چاہتا ہے کہ میں تیرے لیے کروں؟"
تو اُس کے خزانوں کی کوئی حد نہیں، نہ اُس کی بخشش کی آمادگی کی کوئی انتہا۔

جس سے سوال کیا جاتا ہے، اُس کی طلب محدود ہو سکتی ہے،
مگر جب نجات دہندہ یہ سوال کرتا ہے
تو وہ گویا اُس غریب گداگر کو چُھپا چُھپا کر چیلنج دیتا ہے کہ
"جو مانگنا ہے، مانگ لے"

اب، اے بھائیو، نجات دہندہ اپنی ساری اُمت سے کچھ یوں ہی معاملہ کرتا ہے
"تُو کیا چاہتا ہے کہ میں تیرے لیے کروں؟"
تیری جو بھی خواہش ہو، وہ اُسے سنے گا اور توجہ دے گا۔

میں یہ نہیں کہتا کہ اگر وہ تیرے لیے فائدہ مند نہ ہو تو وہ ضرور پوری ہو گی
مگر وہ چاہتا ہے کہ تُو اُسے بتائے کہ تُو مانگنا کیا چاہتا ہے۔

ہمیں اس باب میں ایک نمونہ ملتا ہے جہاں یعقوب اور یوحنا نے ایسی چیز مانگی جو خُداوند نے مناسب نہ جانی
اور فرمایا کہ وہ اُن کے لیے مفید نہ ہوگی۔

پھر بھی، اگر وہ چیز تیرے فائدہ اور اُس کے جلال کے لیے ہو
تو تُو جو بھی مانگے، تجھے ملے گا۔
تُو اُسے حکم نہ دے، مگر اُس سے بار بار عرض ضرور کر سکتا ہے۔
تُو عالمِ کُل نہیں، اس لیے تیری مرضی کبھی اُس کی حکمت سے بہتر نہ ہو سکتی۔
مگر تُو خُدا کا فرزند ہے
اور اِسی باعث تیری دلی مراد اُس کے حضور قبولیت پاتی ہے۔

"جو چاہو مانگو، اور وہ تمہارے لیے کیا جائے گا۔"

— یہ کتاب لے، — اس کے وعدے نہایت عظیم اور بے بہا ہیں
اتنے عظیم کہ کوئی آدمی کبھی شکایت نہ کرے کہ وہ اُس کے لیے ناکافی ہیں۔

— اس کتاب میں خُدا کے ایسے وعدے ہیں جن کی گہرائی تک کوئی نہ پہنچ سکا
رحمت کی ایسی نہریں جو فضل کے سمندر کی مانند بہتی رہتی ہیں
اور جن کا ختم ہونا محال ہے۔

اگر ہم وہ زبردست بھی ہوتے جو یردن کو ایک ہی گھونٹ میں پی جائے
تب بھی ہم خُدا کے وعدوں کو ختم نہ کر سکتے۔

اکاش ہمیں یہ احساس ہوتا کہ مسیح کس فراخی سے بخشنا ہے
جب ہم یہ سوچتے ہیں کہ اُس نے اپنے آپ کو بھی دریغ نہ کیا
بلکہ اپنی جان کو موت تک خالی کر دیا
تو کیا وہ جو کچھ اُس کا ہے، اُسے ہمارے لیے نہ دے گا؟

یہ سب کچھ میں نے اُس سوال کے بارے میں کہا
جو مسیح کی مرضی اور اُس کی نیکی کو ظاہر کرتا ہے۔

— اب آئیے ہم اُسے ایک اور رُخ سے دیکھیں

II

جیسا کہ یہ سوال ہم سے خطاب کرتا ہے۔

یہ سوال ہم سے کیا کہتا ہے؟ یا ہمیں اس کا کیا جواب دینا چاہیے؟

مجھے یوں محسوس ہوتا ہے کہ
جس طرح یہ سوال مسیح کی شفقت کو ظاہر کرتا ہے
اسی طرح ہمیں بھی اُس کے جواب میں شفقت سے معمور ہونا چاہیے۔

وہ شخص کیسا سخت دل ہو گا جو مسیح کی نرمی پر بھروسا کرے
مگر گناہ سے محبت رکھے۔

میں نے کچھ واعظ سنے ہیں جن میں یہ تعلیم دی گئی کہ
”خُدا یعقوب میں کوئی گناہ نہیں دیکھتا، اور نہ اسرائیل میں بدی“
ایسے انداز میں، گویا خود اُن واعظ دینے والوں کو بھی
یہ گناہ نظر نہ آتے جو خُدا کے برگزیدہ لوگوں میں تھے۔

مگر میں چاہتا ہوں کہ اُس کی بڑی برداشت
مجھے اور زیادہ حساس بنائے۔

اگر خُداوند فرماتا ہے کہ
”میں تجھ میں کچھ خرابی نہیں دیکھتا، اے میری محبوبہ، تُو سراسر خوبصورت ہے“
تو کیا میں گناہ کو معمولی چیز جانوں؟
کیا میں اُس کے ساتھ کھیلوں
اور اُسے ایک وہم سمجھ کر چھوڑ دوں؟

برگز نہیں۔
جتنا وہ مجھے پیار کرتا ہے، اتنا ہی میں گناہ سے نفرت رکھوں گا۔
کیونکہ اُس کی محبت مجھے پاکیزگی کی طرف بلاتی ہے
نہ کہ بے خوفی کے ساتھ نافرمانی کی طرف۔

اُے نہیں
میں اُس کی شفقت کے سبب روؤں گا، جو میرے بارے میں سب کچھ جانتا ہے۔
اور اگرچہ وہ اس قدر فضل والا ہے کہ میرے گناہ کو میرے منہ پر نہیں مارتا
تو بھی میں خود اپنے گناہ پر ماتم کروں گا۔

—خُدا مجھے معاف کرتا ہے
اور اسی سبب سے میں خود کو معاف نہیں کر سکتا۔
—خُدا میرے گناہ کو اپنی پشت کے پیچھے پھینک دیتا ہے
پس وہ گناہ میری آنکھوں کے سامنے ہر وقت موجود رہتا ہے۔

،ایسی محبت، جیسی اُس کی ہے
مجھے میرے اپنے ہی سامنے اور زیادہ سیاہ، اور زیادہ مکروہ بنا دیتی ہے۔

،اگر میرا کوئی دوست ہوتا
،جو جانتا کہ میرے اندر کوئی غالب گناہ ہے، کوئی شدید کمزوری ہے
اور اگر وہ پیارا دوست اپنے دل کی نرمی کے باعث
،کبھی مجھ سے اس کا ذکر نہ کرتا
،اگرچہ وہ بات اُسے بہت دکھی کر چکی ہو
تو کیا میں اُس خطا کو ہنسی میں اڑا دیتا؟

،فرض کرو میں نے کاروبار میں اُسے نقصان پہنچایا
،تو کیا صرف اس لیے کہ وہ خاموش ہے
میں اس نقصان کو بھول جاؤں؟

یا اگر میں اُس کے کسی عزیز کے نقصان کا سبب بنا
اور پھر بھی وہ نہ مجھ سے کچھ کہے
نہ مجھے ملامت کرے
نہ اپنے چہرے سے دکھ کا اظہار کرے
نہ کسی اشارتاً بات سے بھی یہ ظاہر کرے کہ میں اُس کے رنج کا باعث ہوں
تو میں دیانتداری سے کہتا ہوں کہ
اُس کی یہ مہربان خاموشی
میرے دل کو زیادہ زخمی کرے گی
بنسبت اس کے کہ وہ تلخ کلامی کرتا۔

اگر تُو، اے خادم، کوئی خطا کرے
اور تیرا مالک کچھ نہ کہے
تو تُو اپنی خطا پر اور بھی زیادہ شرمندہ ہو گا
نہ کہ بے پروا۔

اگر کوئی شخص غصہ میں آ کر مجھے بُرے الفاظ کہے
تو میں سمجھتا ہوں کہ وہ اپنا بدلہ لے چکا
اور مجھے مزید عاجزی دکھانے کی ضرورت باقی نہیں۔

مگر اگر وہ کہے
"اچھا، میں کچھ نہ کہوں گا"
یا اگر وہ خاموشی سے میری خطا کو نظر انداز کرے
اور مجھ سے ویسا ہی نرمی سے پیش آئے جیسے کچھ ہوا ہی نہیں
تو پھر لازم ہے کہ میں خود کو سزا دوں
چاہے وہ مجھے سزا نہ دے۔

مجھے اپنے آپ کو ملامت کرنی ہو گی
چاہے وہ نہ کرے۔

اے عزیز ایماندار دوستو
ہمیں پاک حساسیت کو فروغ دینا چاہیے۔

جیسا کہ ایک پودا ہوتا ہے جو چھوٹے جانے پر اپنے پتے سمیٹ لیتا ہے
ہمیں بھی ویسا ہی بننا چاہیے۔

اگر مسیح نے ہمارے ساتھ نرمی کی ہے
تو ہم بھی نرمی سے بھرے ہوں۔

کیا ہم نے یہ نہ کہا تھا کہ
مسیح نے جو سوال اُس اندھے سے کیا
وہ اُس کی حکمت کو ظاہر کرتا ہے؟

پس ہمیں ہمیشہ حکمت کی تلاش میں رہنا چاہیے۔

یہ عبارت مطالعے کی دعوت دیتی ہے
"تُو کیا چاہتا ہے کہ میں تیرے لیے کروں؟"

ہم میں کتنے ہیں جو خُداوند کی مرضی کو جاننے کے لیے دل سے مطالعہ کرتے ہیں؟

وہ حرقی ایل، دانی ایل، اور مکاشفہ کا مطالعہ کرتے ہیں
اور اُن کتابوں سے برکت پاتے ہیں

مگر کاش وہ خداوند کے لیے کچھ عمل بھی کرتے
نہ کہ صرف مطالعہ۔

بعض لوگ ستاروں کے مطالعے میں ایسے مشغول ہیں
کہ نیچے دیئے جانے والے چراغوں کو درست کرنے کا وقت ہی نہیں رکھتے
، حالانکہ ستارے اُن کے بغیر بھی چمکتے رہیں گے
، مگر نیچے کے چراغ، اگر انہیں تراشا نہ جائے
تو دھندلا رہیں گے۔

، اور جبکہ بعض کی یہ خطا ہے
، دوسرے ایسے ہیں جو صرف بیچ بونا چاہتے ہیں
مگر اُن کی ٹوکری خالی ہے۔

، وہ کام کرنا چاہتے ہیں
مگر اُن کے اوزار خراب ہیں۔

، وہ مچھلی پکڑنے نکلتے ہیں
مگر اپنے جال کو ٹھیک کرنا بھول جاتے ہیں۔

اکاش کہ کچھ اُستاد پہلے شاگرد بنتے

، مرتا نے مسیح کے لیے کام کیا
مگر مریم نے مسیح سے سیکھا۔

—اگر ہم مرتا اور مریم کو ایک جان میں پا لیں
، پہلے مسیح سے سیکھیں
—پھر مسیح کے لیے کام کریں
تو یہ نہایت موزوں ہو گا۔

یہ قول بہت مشہور ہے
—”انسان کا اصل مطالعہ، انسان ہے“
مگر میں اس کی مقبولیت پر کچھ مطمئن نہیں۔

یہ خالص سونا نہیں۔

—انسان کے لیے اصل مطالعہ، خدا ہے
مگر خدا تک پہنچنے کے لیے
انسان کی حقیقت سے واقفیت ضروری ہے۔

، یہ ہمارے لیے فائدہ مند ہے کہ ہم انسان کی بگڑی ہوئی حالت کو جانیں
خصوصاً اپنی کمزوری، خطرہ، اور بے پردگی کو پہچانیں۔

!اے مسیحی، اس کا مطالعہ کر
، یہ ایک سیاہ کتاب ہے
، مگر اسے پڑھنا جا
کیونکہ اس کے بعد ایک اور کتاب ہے جو تیری رہنمائی کرے گی۔

اور حکمت پانے کے لیے
—ضروری ہے کہ ہم کتاب مقدس کا مطالعہ کریں
ایسے انداز میں کہ سیکھے گئے کلام کو عمل میں بھی لا سکیں۔

اسی سے میری بات اس نتیجے پر پہنچتی ہے کہ
ہمارے لیے مفید ہو گا اگر ہم اپنی دعاؤں کا بھی مطالعہ کریں۔

کیا یہ عجیب لگتا ہے؟

،جب تُو خُداوند کی میز پر جانے سے پہلے تیاری کرتا ہے
تو پھر تُو فضل کے تخت کے سامنے جانے سے پہلے تیاری کیوں نہ کرے؟

،اگر تُو مجھے ملکہ کے حضور پیش ہونے کی اجازت ہو
،اور تُو اُس سے کچھ مانگنا چاہتا ہو
،تو تُو پہلے اپنے خیالات کو تولے گا
اور جملوں کو ترتیب دے گا۔

یقیناً تُو بلا سوچے سمجھے اُس کے حضور نہ جائے گا۔

،جب کوئی شخص پارلیمنٹ میں عرضداشت بھیجتا ہے
—تو اُسے معلوم ہوتا ہے کہ اُسے کیا چاہیے
محض لفظوں کا انبار ہے سود ہے۔

،یہ سچ ہے کہ رُوح القدس ہماری کمزوریوں میں مدد کرتا ہے
مگر وہ ہمارے لیے وہ کام نہ کرے گا
جو ہم خود کر سکتے ہیں۔

،میں فی البدیہہ دعا کو پسند کرتا ہوں
کیونکہ میرا ایمان ہے کہ جب خیالات صاف ہوں
،اور جذبات زور پر ہوں
تو موزوں الفاظ خود بخود مہیا ہو جاتے ہیں۔

،لیکن میں اُس فی البدیہہ دعا کا شیدائی نہیں
جس میں خود احساس بھی فی البدیہہ ہو۔

،اگر ایک خطبہ ہے تیاری کے بگھیر دیا جائے
،تو بیشک وہ کسی پُر زور مضمون کے مقابل زیادہ مؤثر ہو سکتا ہے
لیکن وہ ایک کمزور خطبہ ہو گا
جسے واعظ نے پہلے کبھی سوچا ہی نہ ہو۔

میں نے ایک مبلغ کے بارے میں سُننا ہے
جو منبر سے اُترنے کے بعد اپنے سننے والوں سے کہنے لگا
کہ اُس نے یہ باتیں منبر پر آنے سے پہلے کبھی نہ سوچی تھیں۔
،جواب میں اُسے یہ سُننا پڑا
"یہی تو ہمیں شک تھا۔"
سننے والوں نے محسوس کر لیا تھا
کہ اُس کا پیغام نہایت بے معنی اور بے ربط تھا۔

ہمیں اپنی دعاؤں پر خوب غور و فکر کرنا چاہیے۔
کیا ہمیں یہ نہیں بتایا گیا کہ "تمہیں اس لیے نہیں ملتا، کہ تم غلط طور پر مانگتے ہو؟"
مجھے خوف ہے کہ اکثر ہم اسی سبب سے غلط مانگتے ہیں
کیونکہ ہم نے تیاری نہیں کی ہوتی۔

،جب ایک تیر انداز اپنے کمان کو کھینچتا ہے
،تو وہ نہ صرف اپنی پوری طاقت لگاتا ہے

بلکہ پوری توجہ سے نشانہ باندھتا ہے
پھر تیر چھوڑتا ہے۔

اسی طرح دعا مانگنے والے کو چاہیے کہ وہ دعا کرے۔

"تیرے حضور میں اپنی دعا کو متوجہ کروں گا"
داؤد یوں فرماتا ہے۔

اے میرے دوست، داؤد کی مثال پر عمل کر۔
جو عرض تُو حضرتِ اعلیٰ کے حضور پیش کرتا ہے
اُسے دھیان سے تیار کر۔

—ہمارے خُداوند کے اس سوال میں جو فیاضی پن ہے
—"تُو کیا چاہتا ہے کہ میں تیرے لیے کروں؟"
یہ ہمیں دعا میں دلیری اختیار کرنے کے لیے
ایک بڑی تحریک بخشتا ہے۔

یہ آخری نکتہ ہے۔
جب ہمارے آقا اور خُداوند اس قدر فیاض ہے
جب اُس کا فضل اتنا بے پایاں ہے
تو کیا ہمیں دعا میں بے تکلفی نہ کرنی چاہیے؟

جب وہ دینے کے لیے اتنا آمادہ ہے
تو ہم مانگنے میں سست کیوں ہوں؟

"اپنا منہ کشادہ کر، اور میں اُسے بھروں گا"
خُدا فرماتا ہے۔

ایک سیاح کا گمان ہے
کہ یہ آیت مشرق کی ایک رسم کی طرف اشارہ کرتی ہے
—جیسا کہ چند ماہ پیشتر ایک ایرانی بادشاہ نے کیا
،اُس نے اپنے ایک خادم سے کہا
"اپنا منہ کھول"
اور جب اُس نے کھولا
تو بادشاہ نے اُس کے منہ میں
بیرا، موتی، زمرد، یاقوت، اور ہر قسم کے قیمتی جواہرات رکھ دیے۔

گو یہ چیزیں منہ میں رکھنا خوشگوار نہ ہو
مگر کوئی شخص جسے معلوم ہو
کہ جتنی مقدار میں وہ سمو سکے گا
،اتنی ہی قیمتی چیزیں اُسے ملیں گی
وہ ضرور اپنا منہ کشادہ کرے گا۔

اور کیا خُدا کی رحمتیں
ایسی نہیں جیسے پہلے درجے کے ہیرے؟
ایسی جو تمام قیمتوں سے بالا ہوں؟

یقیناً ایسی صورت میں
،اپنا منہ کشادہ کر" کی تلقین پر زور دینے کی ضرورت نہ ہونی چاہیے"
جب وعدہ یہ ہو کہ "میں اُسے بھروں گا۔"

ہم مانگتے کم ہیں۔
یہ شکایت کبھی کسی دنیوی مانگنے والے پر وارد نہ ہوئی
مگر خُدا ہم سے یہ شکوہ رکھتا ہے۔

ہماری کمزور جانیں
اتنا طلب ہی نہیں کرتیں
جتنا اُس کی بے حد سخاوت عطا کرنے کو تیار ہے۔

اُوں ہم بھی اُس درباری کی مانند خُدا کا اندازہ کریں
،جسے سکندر اعظم نے فرمایا
"مانگ جو تُو چاہے۔"
اُس نے اتنا مانگا کہ خزانچی ہکا بکا رہ گیا۔
،مگر سکندر نے فرمایا
،اگرچہ یہ مانگنے والے کے لیے بہت ہے "
"مگر سکندر کے دینے کے لیے کچھ نہیں

،جب خُدا فرماتا ہے
"تُو کیا چاہتا ہے کہ میں تیرے لیے کروں؟"
تُو تُو اپنی مانگ کا پیمانہ
،اپنی کم مائیگی سے نہیں
بلکہ خُدا کے جلال کی دولت سے ناپ۔

،اب نجات دہندہ رُوحانی طور پر ہمارے ساتھ ہے
اور بہت جلد وہ جسمانی طور پر بھی ہمارے درمیان ہو گا۔
میں سُن سکتا ہوں اُس کی شفقت بھری آواز
:جب وہ ہم میں سے ہر ایک سے پوچھتا ہے
"تُو کیا چاہتا ہے کہ میں تیرے لیے کروں؟"

،اے بزرگانِ عُمر
—جن کے ایّامِ شباب بیت چکے
—(اگرچہ اُمید ہے کہ تمہارے اصل اچھے دن اب آن پہنچے ہیں)
تم کیا چاہتے ہو کہ مسیح تمہارے لیے کرے؟

،اے بزرگ مقدسو
،اگر تمہیں اس دنیا میں اپنے لیے کچھ زیادہ نہ چاہیے
تو تم ہمارے لیے کیا مانگو گے
جو دن کی گرمی اور بار کاٹ رہے ہیں؟

،اے مسیح کے سپاہیو
،جو جوانی اور ادھیڑ عمری میں ہو
تم کیا چاہتے ہو کہ وہ تمہارے لیے کرے؟
کیا تمہارے بچے نہیں جن کے لیے دعا کرو؟
کیا گھرانے کے لیے برکتیں نہیں جنہیں تم طلب کرو؟
کیا مصیبتیں نہیں جن سے ربائی چاہتے ہو؟

،اور تم، اے نوجوان مرد و عورت
:اُقا تم سے فرماتا ہے
"تُو کیا چاہتا ہے کہ میں تیرے لیے کروں؟"

،اگر ممکن ہو تو
،میں امید رکھتا ہوں کہ تم اپنے دل میں ابھی اپنی خواہش پیش کرو گے

اور اگر نہیں،
تو جب اپنے بستر کے کنارے جھکو
جہاں تم نے بار بار دعا کی ہے
وہ سوال تمہیں پھر سنائی دے
"تُو کیا چاہتا ہے؟"

دعا کرنے سے پہلے کچھ دیر ٹھہرو۔
سوچو کہ کیا مانگو گے۔

ممکن ہے وہی خُدا
جس نے سلیمان سے فرمایا
"مانگ جو تُو چاہے، اور میں تجھے دوں گا"
آج رات تم پر بھی ظاہر ہو
کہ یہ تمہاری رحمت کی رات بن جائے۔

مال و دولت نہ مانگو
عزت و جاہ نہ مانگو
— عہدہ و مرتبہ نہ مانگو
بلکہ مانگو کہ وہ تمہیں اپنا پیارا بیٹا دے دے۔

مانگو کہ نجات دہندہ ہمیشہ کے لیے تمہارا ہو جائے۔
اگر یہ مانگو گے
— تو یہ ایک کشادہ دہانی دعا ہو گی
مگر خُدا اُسے سنے گا
اور تمہیں یہ جواب دے گا:

"تیرے ایمان کے مطابق تجھ سے ویسا ہی ہو۔"
آمین۔

تشریح از سی۔ ایچ۔ سپرجن
مُرَقَّع: مرقس 10:13-27، 32-52

آیت 13:

اور وہ اُس کے پاس چھوٹے بچوں کو لائے تاکہ وہ اُن کو چھوئے
لیکن شاگردوں نے اُن کو ملامت کی جو اُنہیں لائے تھے۔

اُنہوں نے بچوں کو بہت چھوٹا اور بے وقعت جانا
اور خیال کیا کہ استاد کے لیے اس سے بلند تر مشغلے ہیں۔
لیکن مسیح کا خیال یوں نہ تھا؛
کوئی بھی اُس کے لیے چھوٹا نہ تھا۔
وہ بچگانہ عزت کو بھی اپنے لیے قبول کرتا ہے۔

آیت 14:

لیکن جب یسوع نے یہ دیکھا تو اُسے سخت رنج ہوا
اور اُن سے فرمایا
"چھوٹے بچوں کو میرے پاس آنے دو"
اور اُنہیں منع نہ کرو
"کیونکہ خدا کی بادشاہی ایسے ہی لوگوں کی ہے۔"

ہے شک اُن میں سے بہت سے اُس بادشاہی میں داخل ہوتے ہیں
اور جو بھی داخل ہوتا ہے

اُسے بچوں کی مانند ہونا لازم ہے۔
—بچہ تبدیلی کے لیے سب سے سخت دل مخلوق نہیں
...نہیں بلکہ

:آیت 15

،میں تم سے سچ کہتا ہوں"
،جو کوئی خدا کی بادشاہی کو بچے کی مانند قبول نہ کرے
"وہ اُس میں داخل نہ ہو گا۔

،ہمیں یہ نہیں کہ زیادہ عقلمند بنیں تاکہ مسیح کے لائق ہوں
،بلکہ زیادہ نادان ہونے کا شعور پائیں
،زیادہ اُس پر توکل کریں
،زیادہ اُس پر انحصار کریں
زیادہ طفلانہ بنیں۔

:آیات 16-17

،پھر اُس نے اُن کو اپنی باتوں میں لیا
اُن پر ہاتھ رکھا اور اُنہیں برکت دی۔
،اور جب وہ راستہ پر چلا
تو ایک شخص دوڑتا ہوا آیا
:اور اُس کے آگے جھک کر پوچھا
،اے نیک اُستاد"
"میں کیا کروں تاکہ ہمیشہ کی زندگی کا وارث بنوں؟

:یسوع نے اُس سے فرمایا
تو مجھے نیک کیوں کہتا ہے؟"
"کوئی نیک نہیں سوا ایک یعنی خدا کے۔

،یہاں اُس نے اپنی الوہیت کو نہ کھولا
،لیکن اگر وہ جوان غور کرتا
تو پہچان لیتا۔
:تاہم مسیح نے اُس کے سوال کا جواب دیا
،اگر تُو اپنے اعمال سے نجات پانا چاہتا ہے"
—تو رسموں کی ادائیگی یا ظاہری مذہبی رسموں سے نہیں
:"بلکہ یوں کر

:آیات 19-20

:تُو احکام کو جانتا ہے"

،زنا نہ کرنا
،قتل نہ کرنا
،چوری نہ کرنا
،جھوٹی گواہی نہ دینا
،دھوکہ نہ دینا
"اپنے باپ اور ماں کی عزت کرنا۔

:اُس نے جواب دیا
،اے اُستاد"
"یہ سب میں نے اپنے لڑکپن سے مانے ہیں۔

،اور ممکن ہے اُس نے نہایت احتیاط اور کوشش سے یوں کیا ہو
مگر اِس سب کے باوجود

وہ ان احکام کو کامل طور پر بجا نہ لا سکا۔
ہمیں یقین ہے کہ وہ بے عیب نہ تھا
لیکن ابھی اُس کی آنکھیں اُس کی کمیوں پر نہ کھلی تھیں۔

:آیت 21

تب یسوع نے اُس پر نظر کر کے اُسے محبت کی۔

کیونکہ اُس میں بہت کچھ خوشگوار اور پسندیدہ تھا۔

:اور اُس سے فرمایا

"تُجھ میں ایک بات کی کمی ہے"
،جا، جو کچھ تیرے پاس ہے بیچ ڈال
،اور محتاجوں کو دے دے
تو آسمان پر خزانہ پائے گا؛
پھر آ، صلیب اُٹھا
"اور میرے پیچھے ہو لے۔"

:اُس نے جانا کہ اُس جوان کے کردار میں ایک کمزوری ہے

وہ خُدا سے زیادہ اپنی دولت کو عزیز رکھتا ہے۔

،وہ دُنیا کے لیے جیتا ہے

اگرچہ اُس کی ظاہری زندگی نہایت صالح ہو۔

—کیا ایسے بہت سے نہیں

،جن کا اخلاق بے داغ ہو

مگر اُن کی زندگی کا مرکز خودی ہو؟

وہ صرف اس لیے جیتے ہیں کہ خرید و فروخت کر کے فائدہ اُٹھائیں؛

—خُدا کا تصور صرف سزا کے خوف کی حد تک ہے

نہ کہ خدمت یا اُس کے جلال کے لیے جینا۔

مسیح نے اُس کے دل کا زخم بے نقاب کر دیا۔

:آیت 23

اور شاگرد اُس کے کلام پر حیران ہوئے۔

کیونکہ رُبیوں نے تو یہی سکھایا تھا

—کہ دولت سب کچھ کر سکتی ہے

،اگر تُو اتنا دے، اتنا نذرانہ چڑھا دے

تو سب کچھ درست ہو گا۔

،مگر مسیح نے اس تعلیم کو رد کیا

،اور دکھایا کہ دولت نجات میں فائدہ نہیں

بلکہ اکثر رکاوٹ ہے۔

:آیت 24

لیکن یسوع نے پھر جواب دیا

:اور اُن سے فرمایا

،آے بچو"

دولت پر بھروسا رکھنے والوں کے لیے

خدا کی بادشاہی میں داخل ہونا

"!کس قدر دشوار ہے

یہ تو محال ہے

،۔ اونٹ کا سوئی کے ناکے میں سے گزر جانا
اس سے آسان ہے کہ کوئی دولتمند خدا کی بادشاہی میں داخل ہو۔

26

،۔ پس وہ نہایت حیران ہو کر آپس میں کہنے لگے
"پھر کون نجات پا سکتا ہے؟"

27

،۔ یسوع نے اُن پر نگاہ کر کے فرمایا
، آدمیوں سے تو یہ ناممکن ہے
لیکن خدا کے ساتھ ایسا نہیں؛
"کیونکہ خدا کے ساتھ سب کچھ ممکن ہے۔"

28

،۔ اور جب وہ راہ میں یروشلم کو جا رہے تھے
، یسوع اُن سے آگے آگے تھا
، اور وہ حیران تھے
اور جو پیچھے پیچھے آ رہے تھے، وہ ڈر رہے تھے۔
تب اُس نے بارہ کو پھر اپنے ساتھ لے کر
اُنہیں اُن باتوں کی خبر دینا شروع کی
جو اُس پر آنے والی تھیں۔

29

،۔ فرمایا
، دیکھو، ہم یروشلم کو جاتے ہیں
، اور ابنِ آدم سردار کابنوں اور فقیہوں کے سپرد کیا جائے گا
، اور وہ اُسے موت کی سزا دیں گے
اور اُسے غیر قوموں کے حوالہ کریں گے؛

30

،۔ اور وہ اُس کا تمسخر کریں گے
، اور اُسے کوڑے ماریں گے
، اور اُس پر تھوکیں گے
، اور اُسے قتل کریں گے
"اور تیسرے دن وہ جی اُٹھے گا۔"

یہ جملوں کی تفصیل ظاہر کرتی ہے
، کہ ہمارے نجات دہندہ نے اپنی مصیبتوں کا نہایت مفصل بیان فرمایا
، اور ہر ایک پہلو پر ٹھہر کر کلام کیا
، جنہیں اُس نے پیشگی جانا
اور یوں اپنے نبی ہونے کو ظاہر کیا۔

مگر اصل مدعا یہ ہے
کہ اُس نے جانا کہ ہماری رُوحوں کا فدیہ دینے کے لیے
—اُسے کیا قیمت ادا کرنی ہو گی

،جب نجات دہندہ نے جانا کہ معافی کی قیمت اُس کا خون ہے"
"تب بھی اُس کی شفقت پیچھے نہ ہٹی۔

،اُسے فقط یہ معلوم نہ تھا کہ اُسے مرنا ہے
بلکہ یہ بھی کہ وہ موت کیسی اذیت، کیسی رُسوائی اور کیسا دُکھ لائے گی۔
،وہ اُسے سزا دیں گے
،غیروں کے حوالہ کریں گے
،اُس پر ہنسی کریں گے
،کوڑے ماریں گے
،تھوکیں گے
اور پھر اُسے قتل کریں گے۔

پس ہمیں بھی لازم ہے
کہ اپنے خداوند کی مصیبتوں پر
مقدس اور شکرگزار تفکر سے غور کریں۔
اُس نے خود اُن باتوں کو یوں الگ الگ بیان نہ کیا ہوتا
اگر وہ نہ چاہتا کہ ہم اُن پر ویسا ہی دھیان دیں
—جیسا قدیم زمانے میں سوختنی قربانی کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے دیا جاتا تھا
ایک تصویر اُس ایماندار کی جو اپنے آقا کی مصیبت پر علم اور دھیان سے غور کرے۔

،وہ اُس عظیم قربانی کی تفصیل میں جہانکے
اور اُس میں خدا کے ساتھ رفاقت رکھے۔

اب، اگرچہ اُس کے شاگردوں کے دل
،اُس کی آنے والی رُسوائی، غم، اور موت کی خبر سے دُکھ اٹھاتے تھے
—تو بھی دیکھو، اُنہوں نے کیا کیا

۔۔ اور یعقوب اور یوحنا، زبدی کے بیٹے ۳۵
،اُس کے پاس آ کر کہنے لگے
اے استاد، ہم چاہتے ہیں"
،کہ جو کچھ ہم تجھ سے مانگیں
"تو ہمارے لیے کرے۔

!عجیب درخواست
:پہلے اُن کے یہ الفاظ سنو
"ہم چاہتے ہیں کہ تو ہمارے لیے کرے۔"
ایک حقیقی مسیحی کا رُحان یہ ہونا چاہیے
کہ وہ اپنے آقا سے یہ نہ کہے کہ
"میرے لیے کچھ کر"
بلکہ یہ پوچھے کہ
"اے آقا، میں تیرے لیے کیا کر سکتا ہوں؟"

،مسیح تو کامل ہے غرضی کا پیکر تھا
لیکن اُس کے شاگرد ابھی اُس سبق کو نہ سمجھے تھے۔
:اور پھر اُن کی آرزو کتنی خود پرست ہے
"ہم چاہتے ہیں کہ تو ہمارے لیے وہ سب کرے جو ہم چاہیں۔"
کیا ہم میں سے کوئی اس جذبے سے بالکل پاک ہے؟
جب خدا ہمیں تھوڑا سا ملامت کرے
،یا ہر بات ہماری مرضی کے مطابق نہ ہو
!تو ہم کتنی جلدی شکوہ کرتے ہیں

درحقیقت

—یہ زہر، یہ تلخی ہم میں بھی چھپی ہوئی ہے
"ہم چاہتے ہیں کہ وہ ہمارے لیے وہ سب کرے جو ہم چاہیں"
کیا ہر بات تمہارے خیال کے مطابق ہونی چاہیے؟
کیا شاگرد اپنے استاد کو حکم دے؟
کیا بچہ خاندان کا سردار بنے؟

36

۔۔ یسوع نے اُن سے فرمایا
"تم چاہتے ہو کہ میں تمہارے لیے کیا کروں؟"

37

، اُنہوں نے کہا
ہمیں یہ بخش
کہ ہم میں سے ایک تیرے دہنے اور دوسرا بائیں
"تیری جلالی بادشاہی میں بیٹھے۔"

38

۔۔ لیکن یسوع نے اُن سے فرمایا
تم نہیں جانتے کہ تم کیا مانگتے ہو۔
کیا تم اُس پیالہ کو پی سکتے ہو
جو میں پیتا ہوں؟
اور کیا اُس بیٹسمہ سے بیٹسمہ لے سکتے ہو
"جس سے میں لیا جاتا ہوں؟"

39

۔۔ اُنہوں نے اُس سے کہا
"ہم سکتے ہیں۔"
، وہ پھر بھی کہہ سکتا تھا
"تم نہیں جانتے کہ تم کیا کہہ رہے ہو۔"

39

۔۔ تب یسوع نے فرمایا
تُم بے شک اُس پیالہ کو پیو گے
، جو میں پیتا ہوں
اور اُس بیٹسمہ سے بیٹسمہ لوگے
جس سے میں لیا جاتا ہوں؛

40

۔ لیکن میرے دہنے یا بائیں بیٹھنا
، یہ دینا میرا اختیار نہیں

بلکہ اُن کو دیا جائے گا
"جن کے لیے یہ تیار کیا گیا ہے۔"

دیکھو، وہ خود تو خواہش جاہ میں مبتلا تھے ہی
—بلکہ وہ اپنے آقا کو بھی اُس میں شریک کرنا چاہتے تھے
اُس خاکسار، فروتن خادم کو
جس نے تھوڑے وقت کے لیے تخت و تاج تقسیم کرنے کا اختیار ترک کر دیا تھا۔
مگر اُس نے نہ اپنی ذات کو بھلایا
—نہ اُس رُتبہ کو جو اُس نے باپ کے حضور اختیار کیا تھا
بلکہ فرمایا
"یہ دینا میرا کام نہیں۔"

41

۔۔ اور جب باقی دس شاگردوں نے یہ سنا
تو یعقوب اور یوحنا سے نہایت ناراض ہوئے۔

42

۔۔ مگر یسوع نے اُنہیں پاس بلا کر فرمایا
"تم جانتے ہو کہ جو لوگ غیر قوموں پر حکمرانی کے قابل گئے جاتے ہیں"
"وہ اُن پر سرداری کرتے ہیں
اور اُن کے بڑے اُن پر اختیار جتاتے ہیں۔"

43

"۔۔ مگر تم میں ایسا نہ ہو گا۔"

—آہ! کیسا افسوسناک تضاد ہے
آقا کی فکر تو فقط اپنی قربانی کی طرف ہے
کہ وہ دوسروں کے لیے مرنے کو جا رہا ہے
اور شاگرد چھوٹی چھوٹی حسد و بڑائی کی باتوں میں الجھے ہوئے ہیں
!کہ کون بڑا ہو

یہ بہت دُکھ کی بات ہے
جب یہی روح مسیحی کلیسیاؤں میں بھی در آتی ہے (اور آتی ہے)
جبکہ رُوحیں ہلاک ہو رہی ہیں
یہ دنیا ہمارے آنسوؤں اور ہماری محنت طلب خدمت کی محتاج ہے
اور ہم بڑائی کی کرسیوں پر جھگڑنے لگتے ہیں۔

کوئی بھائی کہتا ہے کہ دوسرا بہت آگے بڑھا ہے
دوسرے کو شکایت ہے کہ اُس کی عزت نہ ہوئی
کوئی کسی کی سخت بات برداشت نہیں کر سکتا۔
!آہ! ہم کتنے کمزور شاگرد ہیں
کیا ہی بڑی برکت ہے
کہ ہمارا آقا صابر ہے
وہ ہم سے نہ تنگ آتا ہے
اور نہ ہمیں چھوڑتا ہے
—جب تک کہ وہ اپنی روح
—جو اپنی نہیں بلکہ اوروں کی طلبگار ہے
ہم میں بھر نہ دے۔

یہی وہ روح ہے
 جو نفس کو انکار کرنا سکھاتی ہے
 جو خود کو مٹانے والی ہے
 جو اپنے فائدہ کا طالب نہیں
 بلکہ اوروں کی بھلائی کو دیکھتی ہے۔
 خدا کرے کہ ہم سب اس سے معمور ہوں۔

43

۔۔ بلکہ تم میں جو کوئی بڑا بننا چاہے
 وہ تمہارا خادم ہو۔

44

۔۔ اور تم میں جو کوئی سب سے بڑا ہونا چاہے
 وہ سب کا غلام ہو۔

یہی وہ راہ ہے
 جس سے کوئی شخص خدا کی کلیسیا میں سچ مچ بڑا بنتا ہے
 وہ جو اپنی نظر میں چھوٹا سے چھوٹا ہوتا جاتا ہے
 اور جو کچھ نہ ہونے کو راضی ہوتا ہے۔

بلندی کی راہ نیچے کی طرف ہے۔
 یہ تضاد نہیں، بلکہ ایک الہی حقیقت ہے۔

جو جھک جائے، وہی بلند کیا جائے گا۔
 جو چھوٹوں کی خدمت پر آمادہ ہو
 وہی بھائیوں میں عزت پائے گا۔

باد رکھو
 کہ بادشاہوں کا بادشاہ
 خادموں کا خادم تھا۔

45

۔ کیونکہ ابن آدم بھی
 اس لیے نہ آیا کہ اُس کی خدمت کی جائے
 بلکہ اس لیے کہ وہ خدمت کرے
 اور اپنی جان بہتوں کے فدیہ میں دے۔

46

۔ اور وہ یریحو میں آئے۔
 اور جب وہ یریحو سے نکلے
 اور اُس کے ساتھ اُس کے شاگرد اور بہت سا ہجوم تھا
 تو تیمایوس کا بیٹا، برتیمایوس، جو نابینا تھا
 راہ کے کنارے بیٹھا بھیک مانگ رہا تھا۔

47

- جب اُس نے سُنّا
، کہ یسوع ناصری جا رہا ہے
، تو چلا کر کہنے لگا
، اے یسوع، داؤد کے بیٹے "
"مجھ پر رحم کر

48

- اور بہتوں نے اُسے جھڑکا
، کہ خاموش رہے
، لیکن وہ اور بھی زیادہ چلایا
، اے داؤد کے بیٹے "
"مجھ پر رحم کر

49

- یسوع رُک گیا
اور فرمایا کہ اُسے بلایا جائے۔
، پس اُنہوں نے اُسے بلایا
، اور نابینا سے کہا
، دلیر ہو "
"اُٹھ، وہ تجھے بلاتا ہے

کا عین مفہوم رکھتے ہیں۔ "Cheer up" یہ الفاظ

50

،۔ پس اُس نے اپنی چادر پھینک دی
اور اُٹھ کر یسوع کے پاس آیا۔

51

،۔ یسوع نے اُسے جواب دیا
"تو کیا چاہتا ہے "
"کہ میں تیرے لیے کروں؟

کیا تم دیکھتے ہو
کہ یسوع نے یعقوب اور یوحنا کو بھی یہی سوال کیا تھا
(آیت 36)
"تم کیا چاہتے ہو کہ میں تمہارے لیے کروں؟"
اور اب وہی سوال
—ایک نابینا فقیر سے نہایت شفقت سے پوچھا جاتا ہے
"تو کیا چاہتا ہے "
"کہ میں تیرے لیے کروں؟

51

،۔ نابینا نے اُسے کہا
، اے خداوند "
"کہ میں بینا ہو جاؤں۔

اصل الفاظ یہ تھے:
"اے خُداوند، کہ میں اوپر کی طرف دیکھ سکوں۔"
یقیناً وہ سورج کی گرمی کو محسوس کر کے جانتا تھا
،کہ روشنی اوپر سے آتی ہے
سو اُس نے بینائی کا مفہوم
آسمان کی طرف نگاہ کرنے میں سمجھا۔
"اے خُداوند، کہ میں اوپر دیکھ سکوں"

52

۔۔ یسوع نے اُسے فرمایا
"جا"
"تیرا ایمان تجھے شفا دے چکا۔"

53

- اور وہ فوراً بینا ہو گیا
اور راہ میں یسوع کے پیچھے ہو لیا۔

یہ بڑی عجیب بات ہے
،کہ خُداوند یسوع جب بھی کسی پر احسان کرتا
— تو اکثر اُسے کسی خوبی سے منسوب کرتا تھا
تیرا ایمان بڑا ہے "یا"
"میں نے ایسا ایمان کہیں نہیں پایا۔"

حالانکہ ہم جانتے ہیں
کہ اُن لوگوں میں کچھ بھی نہ تھا
— جو اُس کے فضل کے لائق ہوتا
مگر پھر بھی وہ اپنی رحمت کو
،ایمان کے وسیلہ سے باندھتا ہے
تاکہ ہمیں سکھائے کہ
فیض بغیر ایمان کے حاصل نہیں ہوتا۔